رسائل و مسائل

تعلیمات قرآن کے متعلق بحث

(۴)

از جناب چوہدری غلام احمد صاحب پرویز بی اے

ملکیت زمین اس میں تو شک نہیں کہ صاحب تعلیمات نے جس آیت سے یہ مسئلہ استنباط کیا ہے وہ اساسی قانون کی بظاہر حامل نظر نہیں آتی لیکن اس کے خلاف ملکیت زمین کی تائید میں بھی تو کوئی آیت آپ نے نقل نہیں فرمائی اب اس بارہ میں رسول اللہ کا اسوۂ حسنہ ہی قول فیصل ہوگا۔ میری محدود نظر نے جہاں تک کام لیا ہے، میں تو دیکھتا ہوں کہ احادیث مقدسہ سے بھی صاحب تعلیمات کی اس تاویل کی تائید ہو رہی ہے چنانچہ صحیح بخاری شریف میں یہ روایات ہیں (کتاب المزارعہ باب کراء الارض)۔

(۱) عن رافع بن خدیج ان النبی صلعم نہی عن کراء الارض۔

حضرت رافع بن خدیج سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے زمین کے لگان لینے سے منع فرمایا۔

(۲) عن جابر قال کانوا یزرعونہا بالثلث والربع والنصف فقال النبی صلعم من کانت لہ ارض فلیزرعہا او لیمنحہا

حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ ہم زمین کو تہائی چوتھائی اور نصف کی بٹائی پر دیا کرتے تھے۔ سو نبی اکرم نے فرمایا کہ جس کے پاس کوئی زمین ہو وہ یا تو خود جوتے یا دوسرے کو دیدے۔

(۳) عن ابی ہریرۃ قال النبی صلعم من کانت لہ

حضرت ابی ہریرہ سے مروی ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ

ارض فلیزرعھا او یمنحھا اخاہ؛ جس کے پاس کوئی زمین ہو وہ خود اس کو جوتے یا اسے اپنے بھائی کو دیدے۔

ان کے علاوہ حضرت رافع بن خدیجؓ سے ہی ایک اور روایت ہے جس میں انہوں نے بیان کیا ہے کہ ان کے چچا زمین کو پیداوار کی چوتھائی اور چند وسق کھجور اور جو کے عوض دیدیا کرتے تھے سو نبی اکرمؐ نے انہیں اس سے منع فرمایا اور فرمایا یا تو خود کاشت کے لیے دیدو یا روکے رکھو۔

اس کے ساتھ ہی حضرت ابن عمرؓ کا یہ واقعہ بھی بخاری میں درج ہے کہ وہ نبی اکرمؐ کے زمانہ سے لیکر حضرت معاویہ کے ابتدائی زمانہ تک زمین کو کرایہ پر دیا کرتے تھے۔ اس وقت انھیں رافع بن خدیجؓ کی روایت کردہ حدیث پہنچی۔ انہوں نے رافع بن خدیجؓ سے دریافت کیا تو انہوں نے کہا کہ واقعی نبی اکرمؐ نے زمین کو کرایہ پر دینے سے منع فرمایا ہے۔ چنانچہ انہوں نے اس کے بعد اپنی زمین کرایہ پر دینی موتوف کردیں

ممکن ہے میں ان احادیث مقدسہ کا صحیح مفہوم نہ سمجھ سکا ہوں اس لیے اس کے متعلق بھی وضاحت فرما دیجیے لیکن اگر ان کا یہی مفہوم ہے جو بظاہر معلوم ہوتا ہے۔ تو ان تصریحات کی روشنی میں صاحب تعلیمات عدم ملکیت اراضی کے نتیجہ پر پہنچ جائیں تو میرا خیال ہے کہ انہیں محض اشتراکیت کے خیال سے مرعوب تصور کر لینا درست نہوگا۔ اشتراکیت کے ثبوت میں تو وہ بخاری شریف کی اس حدیث کو اور بھی قوی دلیل سے پیش کر سکتے ہیں جس میں حضورؐ نے فرمایا کہ:۔

نحن لا نورث ما ترکنا صدقۃ۔ ہم (انبیاء) سے وراثت نہیں ملتی ہے ہم جو کچھ چھوڑ جاتے ہیں صدقہ ہے

اس سے تو معلوم ہوتا ہے کہ تمام حضرات انبیاء کرامؑ اس حد تک فطرۃً کمیونسٹ تھے۔

تقدیر | تقدیر کا مسئلہ جس طرح آپ نے بیان فرمایا ہے بعینہ اسی طرح صاحب تعلیمات نے بھی اس کو صفات الٰہی میں لکھا ہے ان کے بیان کے مطابق یہ ایمان مفصل کا جز ہے ایمان مجمل کا نہیں۔ اور آپ بھی ان کے ساتھ متفق ہیں لیکن یہاں مجھے ایک اور امر دریافت کرنا ہے۔ تقدیر کا مسئلہ جیسا کہ آپ نے فرمایا

فی الحقیقت بڑا اہم بالشان ہے، اور قرآن کریم نے اس پر بڑا زور دیا ہے لیکن سوال یہ ہے کہ اس مسئلہ کو کونسی شکل میں مانا جائے کہ قرآن کریم کی تعلیم کے مطابق ہو؟ تقدیر کے متعلق جو صورتیں ہمارے حضرات سلفؒ نے اختیار کی ہیں، وہ تو ایک دوسرے سے ایسی متضاد ہیں کہ ایک کو ماننے کے لیے دوسرے سے قاطبۃً انکار کرنا پڑتا ہے۔ جبر و قدر کے مسلک اس پر شاہد ہیں۔ اب عام طور پر جس قسم کا عقیدہ ہمارے "ایمان مجمل" کے اجزا میں داخل ہے (یعنی والقدر خیرہٖ وشرّہٖ من اللہ تعالیٰ) اس سے تو ظاہر ہے کہ یہ ایک جماعت کا عقیدہ ہے۔ سوال یہ ہے کہ جو ایسا عقیدہ نہ رکھے بلکہ اس کے برعکس کسی دوسری جماعت کے عقیدہ کا ہم نوا ہو، اس کے ایمان کے متعلق کیا فیصلہ ہوگا؟

اتباع علماء وصلحاء | اس مسئلے میں مجھے تھوڑی غلط فہمی معلوم ہوتی ہے۔ آپ نے ساری بحث یہ سمجھ کر لکھی ہے کہ صاحب تعلیمات کے نزدیک علماء کا اتباع ناجائز ہے۔ جہاں تک میں سمجھا ہوں وہ ان کو واجب الاتباع قرار نہیں دیتے، اور وہ بھی اس وقت تک جب تک کہ قرآنی سند ان کے ساتھ نہ ہو یعنی کسی عالم یا امام کا قول ان کے نزدیک دینی حجت نہیں ہے تاوقتیکہ اس کی سند قرآن سے نہ دی جائے۔ بعینہٖ یہی مسلک مُقلّدینؒ کا ہے، اور ان کے ائمہ کا خود دعویٰ ہے کہ جو بات ان کے پاس کتاب وسنت کے خلاف ہو اسے دیوار پہ دے مارو۔

اتباع واطاعت رسولؐ | اس مسئلہ کے متعلق میں نے ایک مبسوط مضمون معارف میں اشاعت کے لیے بھیج رکھا ہے جس میں منکرین حدیث و اطاعت رسولؐ کے کم و بیش تمام اعتراضات کو سامنے رکھ کر قرآن کی روشنی میں ان کا جواب دینے کی کوشش کی ہے مجھے خوشی ہوئی کہ اس باب میں آپکی تنقید کا یہ حصہ میرے شایع ہونے والے مضمون کا گویا توارد ہے میں نے ذرا پھیلا کر لکھا ہے۔ ناظرین ترجمان میں سے جنھیں اس باب میں دلچسپی ہو اسے ضرور ملاحظہ فرمائیں۔ لیکن مجھے آپ کی "وما ینطق عن الھویٰ" کی تفسیر سے کچھ اختلاف ہے۔ آپ نے لکھا ہے کہ:-

جس وقت سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو منصب رسالت پہ سرفراز کیا اس وقت سے لے کر حیات جسمانی کے آخری سانس تک آپ ہر آن اور ہر حال میں خدا کے رسولؐ تھے۔ آپ کا ہر فعل اور ہر قول رسول خدا کی حیثیت رکھتا تھا"

پھر دوسری جگہ آپ نے فرمایا ہے:۔

"آنحضرت جس وقت جس حالت میں جو کچھ کرتے تھے رسول کی حیثیت سے کرتے تھے"

اس سے مقصد واضح ہے کہ حضورؐ کا ہر قول و فعل منجانب اللہ ہوتا تھا، اور بہ حیثیت رسولؐ صادر فرمانے کی بنا پر امت مسلمہ کے لئے واجب الاتباع۔

اس کے متعلق تفصیلاً تو میں نے اپنے مضمون مذکورہ صدر میں گزارش کیا ہے۔ اس لیے یہاں صرف دو ایک اشاروں پر اکتفا کروں گا پہلے تو قرآن کریم کو لیجیے۔ آپ کو متعدد امور ایسے ملیں گے جن میں حضورؐ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے تہدید و تادیب ہوی ہے۔ مثلاً آپ نے ایک قسم کا شہد کھانے سے قسم کھالی۔ تو ارشاد ہوا۔

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكَ۔ (تحریم)۔ اے نبی جس کو اللہ نے تمہارے لیے حلال کیا ہے اسے کیوں حرام کرتے ہو۔

ظاہر ہے کہ اگر حضورؐ کا شہد کو اپنے اوپر حرام کر لینا خدا کی جانب سے تھا تو خدا اس پہ معترض کیوں ہوا۔

دوسری جگہ ہے:۔

عَفَا اللَّهُ عَنكَ لِمَ أَذِنتَ لَهُمْ (توبہ) خدا نے تم سے درگذر کیا، تم نے انہیں کیوں اجازت دیدی تھی۔

اب اگر حضورؐ کا اجازت دیدینا از روئے وحی تھا، اور یہ فعل خدا کے رسولؐ کی حیثیت سے تھا، تو اس پر وحی بھیجنے والے نے تہدید کس لیے فرمائی۔

اسی طرح عَبَسَ وَ تَوَلّٰی اَنۡ جَآءَہُ الۡاَعۡمٰی۔ (عبس) میں اگر حضورؐ کا پیشانی مبارک پر بل دے آنا بہ حیثیت رسول تھا تو قرآن کریم میں اس پر تنبیہ کیوں آئی۔

ان تصریحات سے ظاہر ہے کہ حضورؐ کے یہ افعال و اقوال بہ حیثیت رسولؐ نہ تھے بلکہ ذاتی حیثیت سے تھے۔ اس سے یہ مطلب نہیں کہ (نعوذ باللہ) یہ امور ضلالت و غوایت اور ہوائے نفس کے بنا پر تھے بلکہ یہ کہ امور دنیاوی میں بہ حیثیت بشر خاصۂ بشریت حضور کے ساتھ تھا جس میں ایسے معمولی سہو کوئی اہمیت نہیں رکھتے۔ اور اس سے حضور کے خلق عظیم۔ اور قرآن کے منجانب اللہ ہونے کے لیے دشمنان اسلام کے لیے زندہ شہادت ملتی ہے۔ اب اس کی شہادت خود احادیث سے بھی ملتی ہے شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے حجۃ اللہ البالغہ میں ایک باب اس عنوان سے لکھا ہے جس میں وہ تحریر فرماتے ہیں کہ جو کچھ آں حضرت سے مروی ہے اور کتب حدیث میں مدون ہے، اس کی دو قسمیں ہیں ایک تو وہ امور جو تبلیغ رسالت سے علاقہ رکھتے ہیں۔ دوسرے وہ امور جن کو تبلیغ رسالت سے کوئی تعلق نہیں اسی کی نسبت حضور نے فرمایا ہے۔

اِنَّمَا اَنَا بشر اذا امرتکم بشیءٍ من دینکم فخذوا بہ واذا امرتکم بشیءٍ من رائی فانما انا بشر۔	میں ایک انسان ہوں جب تم سے کوئی مذہبی امر بیان کروں تو اس کو اختیار کرو اور جو بات میں اپنی رائے سے کہوں تو میں ایک انسان ہوں۔

اسی بنا پر درخت خرما کے کا بھا لگانے کے مشہور واقعہ کے بعد حضورؐ نے فرمایا تھا۔

انی ظننت ظنًّا ولا تؤاخذونی بالظن ولکن اذا حدثتکم من اللہِ بشیءٍ فخذوا بہ فانی لم اکذب علی اللہِ۔	میں نے صرف ایسا گمان کیا تھا تخمینی بات کا مجھ سے مواخذہ نہ کرو لیکن میں خدا کی جانب سے کوئی بات بیان کروں تو اس کو اختیار کرو اس لیے کہ میں خدا پر جھوٹ نہیں باندھتا

چنانچہ شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ اس میں سے وہ امور ہیں جنھیں حضور عادتاً کیا کرتے تھے۔ یا اتفاقیہ بلا قصد یا بہ سبیل تذکرہ بیان فرمایا کرتے تھے۔ اور اس کے بعد وہ مواقع و امور کی مثالیں بھی بیان فرماتے ہیں

انہی میں وہ ان امور کو بھی لیتے ہیں جو حضورؐ کے عہد میں ایک جزئی مصلحت رکھتے تھے لیکن وہ تمام امت کے لیے حتمی اور لازمی نہ تھے۔

اس سے ظاہر ہے کہ جو کچھ آپؐ دین کے متعلق فرماتے تھے وہی بہ حیثیت رسول ہوتا تھا، خواہ وہ وحی منزل ہو یا اجتہاد رسول۔ اور وہی امت کے لیے واجب الاتباع۔ اور اس کے علاوہ جو باتیں بہ حیثیت بشر فرماتے ان میں یہ قید نہ تھی یہی وجہ ہے کہ بعض امور مشاورت میں ہم دیکھتے ہیں کہ صحابہؓ نے رائے بھی پیش کی اور وہ اختیار بھی کی گئی۔ یہی نہیں حضورؐ کی ایسی رائے کے خلاف عمل بھی تھا چنانچہ قرآن شاہد ہے کہ آپ نے حضرت زیدؓ سے فرمایا کہ اَمۡسِكۡ عَلَيۡكَ زَوۡجَكَ لیکن انہوں نے حضرت زینبؓ کو طلاق دیدی۔ کیا آپ خیال کر سکتے ہیں کہ یہ بحیثیت رسول آپکا فرمان ہوتا اور حضرت زیدؓ اس کی خلاف ورزی کرتے؟ کتب احادیث میں کئی ایسے واقعات مذکور ہیں جن میں حضورؐ نے کوئی ارشاد فرمایا اور صحابہ نے عرض کیا کہ یہ حکم بحیثیت رسول ارشاد فرما رہے ہیں۔ یا بطور اپنی رائے کے۔ چنانچہ جنگ بدر میں جب آپؐ ایک مقام پر کیمپ نصب فرمانا چاہتے تھے تو ایک صحابی نے یہی سوال کیا اور جب معلوم ہوا کہ حضور اپنی رائے سے ایسا فرما رہے ہیں تو انہوں نے بادب گذارش کیا کہ اگر حضورؐ ذرا اور آگے جا کر خیمہ زن ہوں تو زیادہ قرین مصلحت ہوگا۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔

ان تصریحات سے ثابت ہے کہ حضورؐ ہر آن اور ہر حال میں رسول نہیں ہوتے تھے اور آپ کا ہر قول اور ہر فعل بہ حیثیت رسول ہی نہیں ہوتا تھا۔ ہاں جو مرد خدا محبوب کے رنگ میں ہی رنگا جانا چاہے اس کی بات بالکل جدا ہے لیکن اس شکل اور وجوب کی صورت میں بڑا فرق ہے۔

امارت و رسالت | اگرچہ شاہ صاحبؒ نے حضورؐ کے فیصلے بھی اسی ذیل میں رکھے ہیں جو رسالت کی حیثیت لیے ہوئے نہ تھی۔ (غالباً ان کی مراد وقتی فیصلوں سے ہوگی)۔ اور صاحب تعلیمات نے بھی امارت کو جو رسالت سے الگ کیا ہے تو غالباً اسی بنا پر لیکن میں تو حضورؐ کے قضایا متعلقہ دین کو عین تبلیغ رسالت میں ہی سمجھتا ہوں۔ اور واجب الاتباع۔ البتہ ایک اور چیز ہے جو امارت و رسالت کی بحث میں میرے سامنے آگئی ہے۔ اور اگرچہ

صاحب تعلیمات نے اس پر بوضوح روشنی نہیں ڈالی لیکن قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا شاید منشا یہی ہے جو میرے ذہن میں آیا ہے۔ جہاں تک نبی کریم کا تعلق ہے امور دین میں حضورؐ کی اطاعت کیا بہ حیثیت رسولؐ اور کیا بہ حیثیت امیر قیامت تک کے لیے ہے۔ اس میں نہ اُس وقت کسی کو منازعت کا حق حاصل تھا۔ نہ آج ہو سکتا ہے لیکن سوال یہ ہے کہ حضورؐ کے بعد قرآن کریم نے جہاں خدا و رسول کی طرف رجوع کرنے کا حکم دیا ہے تو اسلامی نظام کے بقا کے لیے یہ تو ضروری ہے کہ کوئی ایسی (authority) ہو جو یہ بتا سکے کہ خدا و رسولؐ کا اس بارہ میں یہی فیصلہ ہے۔ یا وقتی امور میں ایسا ہی فیصلہ خود صادر کر سکے۔ ظاہر ہے کہ اگر خلیفہ برحق ہو اور اس کے ساتھ اس کی مجلس شوریٰ (صحیح طریق پر منتخب شدہ) کام کر رہی ہو تو یہی جماعت یعنی "خلیفہ ان کونسل" (Khalit in Council) ہی وہ آخری (authority) ہوگی جو امت مسلمہ کے لئے "خدا و رسولؐ" کو (Represent) کریگی یعنی اس مجلس کا فیصلہ آخری فیصلہ ہوگا۔ اور کسی شخص کو اس کے خلاف منازعت کا حق نہ ہوگا۔ ورنہ اگر ہر شخص کو اختیار دیدیا جائے کہ وہ فردّوہ إلى الله وإلى الرسول کا فریضہ خود ہی سرانجام دے لے تو ظاہر ہے کہ نظام اسلام کسی طرح بھی قائم نہیں رہ سکتا۔ یہی مجلس Supreme Council) ہوگی جس کے قضایا کی پھر کہیں اپیل نہ ہوگی۔ اور یہی جماعت فقہ مرتب کرنے کا کام کرے گی۔ البتہ جب اس جماعت کا کوئی رکن کتاب وسنت کے خلاف فیصلے صادر کرے تو جمہور کو یہ اختیار ہوگا کہ انہیں برطرف کر کے انکی جگہ دوسرا انتخاب عمل میں لے آئیں۔ کہ یہاں ایسے اولی الامر سے منازعت کا حق حاصل ہو جائے گا۔ جماعت کو خدا و رسول کی اطاعت کی طرف نہیں لے جاتا لیکن انفرادی طور پر کسی کو حق نہ ہوگا کہ ان کے فیصلوں سے اس بنا پر سرتابی شروع کر دے کہ وہ اس کے اپنے خیال میں کتاب وسنت کے خلاف ہیں یہی وہ (authority) ہوگی جو وقتی امور میں بنا بر مصلحت کسی سابقہ وقتی فیصلے یا انتظام کے خلاف بھی فیصلہ کر سکے گی جیسا کہ کتب سیر و احادیث

سے ظاہر ہے۔ رسول اللہؐ نے نجران کے عیسائیوں اور خیبر کے یہود کو اپنی اپنی جگہ رہنے دیا لیکن حضرت عمرؓ نے اپنے زمانہ خلافت میں بنا بر مصلحت وقت ان کو وہاں سے نکال دیا۔ اور یہ جو کہا جاتا ہے کہ ہم دیکھتے ہیں کہ بعض اوقات خود خلیفہ وقت (مثلاً حضرت عمرؓ حضرت علیؓ) بھی عدالتوں میں بہ حیثیت مدعا علیہ پیش ہوا کرتے تھے جس سے ظاہر ہے کہ خلیفہ کے خلاف بھی ہر شخص کو مناز کا حق حاصل ہے، تو واضح رہے کہ یہ لوگ خلیفہ اور اس کی ذاتی حیثیت (Personal Capacity) میں فرق نہیں کرتے۔ عدالتوں میں عمر بن خطابؓ۔ اور علی بن ابی طالبؓ پیش ہوتے تھے۔ اور دعاوی ان کی ذات کے خلاف تھے نہ کہ "خلیفہ ان کونسل" کے خلاف۔ اور یہ اسلامی نظام حکومت کا طغرائے امتیاز ہے کہ اس نے قانون کو رائج کرنے والوں کو بھی قانون کی زد سے مستثنیٰ نہیں کیا۔ پھر یہ بھی واضح رہے کہ "خلیفہ ان کونسل" کی حیثیت بھی واضع قوانین کی نہیں ہوگی بلکہ جہاں تک اصول قانون کا تعلق ہے وہ تو کتاب و سنت میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے منضبط ہو چکے اب ان اصول کو نافذ کرنا۔ یا ان کی روشنی میں جزئی امور میں قواعد مرتب کرنا یہ اس مجلس کا فریضہ ہوگا۔ میرا خیال ہے کہ صاحب تعلیمات نے جہاں یہ لکھا ہے کہ قرآن کریم میں جہاں جہاں اطاعت خدا و رسول کا حکم آیا ہے اس سے مراد امارت ہے۔ ان کے پیش نظر یہی خاکہ ہے جو اوپر گذارش کیا گیا ہے اور اگر ایسا ہی ہے تو اس میں کسی اعتراض کی گنجایش نہیں کہ اس (authority) کی اطاعت عین اطاعت رسول ہے اور اس کی معصیت معصیت خدا و رسول جیسا کہ حضور نبی اکرمؐ نے خود ارشاد فرمایا کہ۔

من یطع الامیر فقد اطاعنی و من یعصی الامیر فقد عصانی جس شخص نے امیر کی اطاعت کی اس نے میری اطاعت کی اور جس نے اس کی نافرمانی کی اس نے میری نافرمانی کی۔

بحث طویل ہوگئی لیکن امید ہے کہ اس میں بہت سی کام کی باتیں نکل آئیں گی۔ اخیر میں اتنا گزارش کرنا ضروری ہے کہ چونکہ مجھے اس میں آپ کو مخاطب کیا ہے اس لیے وہی امور پیش کیے گئے ہیں جن میں مجھے آپ کے جواب کے بعد مزید اطمینان کی ضرورت نظر آئی رہ وہ امور جن کا تعلق ہے یا صرف تعلیمات سے جن امور میں اختلاف ہے ان کو میرا تحصیل حاصل سمجھا گیا ہے اور یہ گذارشات بھی محض تطمین قلبی ہیں۔